صدر اسلام میں معاشی نظام

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

روزی انسان کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اس کا آغاز ماں کے پیٹ سے ہوتا ہے اور انجام موت پر ہوتا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے مسئلہ معاش کے حل کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔ ان کی تعلیمات میں مسئلہ معاش پر ہدایت موجود تھی۔ مختلف امصار و اعصار میں مفکرین و فلاسفہ نے اس مسئلہ پر اپنے افکار و نظریات پیش کیے ہیں جن کی بنیاد پر مختلف معاشی نظام معرض وجود میں آئے۔ اس طرح دینی تعلیمات اور مادی و الحادی تصورات اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے پیش ہوتے رہے اور مختلف معاشی نظام معرض وجود میں آتے رہے۔

حال ہی میں مادی تعلیمات و نظریات کی بنیاد پر ایک معاشی اور سیاسی نظام قائم ہوا ہے۔ جو اشتراکی نظام معیشت ہے۔ اس کے مقابلے میں سابقہ دینی اور لادینی معاشی نظاموں کے حامی اور علمبردار اپنے اپنے نظاموں کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں۔ اور انہیں زیادہ بہتر اور مفید ثابت کر کے ان کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں ــــ اسلام نے مسئلہ معاش پر جو تعلیمات دی ہیں۔ ان کی بنیاد پر تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں مختلف معاشی نظام قائم ہوتے رہے ہیں۔ ان تمام ادوار اور ان تمام نظاموں میں وہ نظام جو عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں قائم ہوئے سب مسلمانوں کے نزدیک متفقہ طور پر بہترین نظام ہیں۔ آئندہ صفحات میں ان کا اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

زراعت و زمین دنیا میں قدیم ترین ذرائع روزگار ہیں۔ ان کی منصفانہ تقسیم پر معاشرت میں اعتدال و توازن پیدا ہوتا ہے اور ان میں بے انصافی سے ملک اور

© rasailojaraid.com

معاشرے میں ظلم و عدوان بڑھتا ہے۔ اسلام دنیا میں پہلا اور واحد نظام حیات ہے جس نے زر اور زمین کے معاملے میں عدل و احسان کو اپنایا اور ظلم و عدوان سے انسانیت کو نجات کی راہ دکھائی۔

عہد رسالت میں، انفاق، صدقات، خیرات اور زکواۃ کے تحت ذرائع و وسائل معاش کی تقسیم کا نہایت منصفانہ نظام قائم ہوا۔ مسلمانوں میں سے صاحب ثروت لوگ اپنے غریب اور نادار بھائیوں کی مدد کے لیے خود بخود اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے تھے۔ اور اس کے عوض اللہ کی رضا کے سوا کچھ نہیں چاہتے تھے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ[1]

"اور ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے کے لیے"

مالدار اور آزاد مسلمان مفلوک الحال اور غلام مسلمانوں کی بہتری اور آزادی پر اپنی کمائی میں سے خرچ کر کے اسلامی معاشرت کو پروان چڑھاتے تھے۔

ہجرت کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تعلیمات کو پوری آزادی کے ساتھ نظام حکومت کی شکل دینی شروع کی۔ انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات و خیرات کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معاش کا نقشہ واضح طور پر اُبھر کر سامنے آنے لگا۔ زراعت، صنعت اور تجارت کے مروّجہ نظاموں میں جہاں جہاں اسلامی تعلیمات کے ساتھ تصادم پایا جاتا تھا، اسے ختم کیا جانے لگا اور اس کی جگہ ایک عادلانہ نظام قائم ہونا شروع ہوا۔ زائد از ضرورت دولت کی جمع احتکار اور کنز کو اللہ کی طرف سے عذاب الیم (دردناک عذاب) قرار دیا گیا۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝[2]

جو لوگ جمع کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

---

[1] قرآن حکیم، سورہ ۲ : ۲۶۵ [2] قرآن حکیم (۹ : ۳۴)

© rasailojaraid.com

مدینہ، مکہ اور حجاز کے باہر جب یمن، بحرین اور دوسرے عرب علاقے فتح ہوئے تو آنحضرت صلعم نے اسلام کا بھی عادلانہ نظام وہاں قائم کر دیا۔ جب پورا جزیرۂ عرب فتح ہو گیا تو آپؐ نے اسلامی معاشی نظام کو پورے عرب میں نافذ کر دیا۔ مشہور سیرت نگار ابن سید الناس نے اپنی کتاب "عیون الاثر"[1] میں اور عبدالحی الکتانی نے اپنی کتاب "نظام الحکومۃ النبویۃ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملین اور ان کے طرزِ حکومت کی تفصیلات درج کی ہیں۔ ان کے مطابق آنحضرتؐ کے عاملین نے جو معاشی نظام قائم کیا تھا اس کے تحت ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے صوبے اور علاقے میں سے ایک مقررہ مدت کے اندر اندر غربت و افلاس ختم کر کے خوشحالی اور فارغ البالی پیدا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔ اس عظیم مقصد کو ایک مختصر مدت میں حاصل کرنے کا طریقِ کار یہ تھا کہ وہاں کے امیر اور دولت مند طبقے سے دولت جمع کر کے غریب، مفلس اور محتاج لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ یہ معاشی نظام قرآن حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔

فرمانِ الٰہی ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ[2]

تاکہ دولت مالدار لوگوں میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔

اور یہی سنتِ نبویؐ ہے:

تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ[3]

صدقات ان کے اغنیاء سے وصول کیے جائیں اور ان کے غرباء میں تقسیم کیے جائیں۔

تقسیمِ دولت کے اس نظام کا فوری طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ معاشرے سے دولت و غربت کا غیر مساوی نظام ختم ہو گیا اور اس کی جگہ منصفانہ اور عادلانہ نظام قائم ہو گیا۔ معاشرے میں دولت و امارت وجۂ عزت و افتخار نہ رہی بلکہ اس کی جگہ تقویٰ اور صالحیت نے لے لی۔

---

[1] ابن سید الناس، عیون الاثر ۲: ۲۴۶ [2] قرآن حکیم (۵۹: ۷)

[3] حافظ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری ۳: ۲۳۱۔

© rasailojaraid.com

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ [1]

تم میں معزز ترین اللہ کے نزدیک متقی لوگ ہیں۔

لوگ اس لیے محنت نہ کرتے تھے کہ اس کے صلے میں وہ امیر اور دولت مند ہو جائیں گے بلکہ اس لیے محنت کرتے تھے کہ ان کی محنت کے عوض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بحیثیت مجموعی خوش حال ہو۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ، لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ [2]

ان کے مقابلے میں پوری قوت اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو۔ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو ڈراؤ گے اور اپنے دشمنوں کو بھی اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے۔

جنگوں میں مال غنیمت کا حصول محبوب ترین چیز تھی مگر اسلام میں اگر کوئی شخص جہاد کرے اور اس کی نیت متاعِ دنیا ہو تو اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

ابو داؤد میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

رجل يريد الجهاد في سبيل الله وهو يبتغي عرضاً من عرض الدنيا۔

ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا اجر له [3]

آپؐ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

---

[1] قرآن حکیم ۴۹ : ۱۳ [2] قرآن حکیم ۸ : ۶۰

[3] ابوداؤد، جلد ا صفحہ ۳۴۲ (باب فیمن یغزو ویلتمس الدنیا)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کوئی شخص غنیمت کے لیے، کوئی نام کے لیے، کوئی اظہارِ شجاعت کے لیے جہاد کرتا ہے، کس کا جہاد خدا کی راہ میں سمجھا جائے گا۔؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا [1]

"جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔"

خدا کا بول بالا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے بعد اپنے تمام ذرائع و وسائل ایثار کرنے میں صرف کر دے۔ اپنی ذہنی، جسمانی اور اعلیٰ صلاحیتیں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دے۔ یہ ایثار اسے قربانی کے لیے آمادہ کرے حتیٰ کہ وہ اس راہ میں اپنی جان تک قربان کر دے۔ یہ ہے وہ جذبہ محرکہ جو اسلام اپنے ماننے والوں میں پیدا کرتا ہے۔ محنت کے اس بے لوث جذبے نے اسلام کو تمام مادی نظاموں سے ممتاز کر دیا ہے۔ قرآن میں یہ مضمون دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے:۔

© rasailojaraid.com

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ [2]

(ان سے جنگ جاری رکھو حتیٰ کہ ظلم نابود ہو جائے اور صرف دین اللہ کے لیے باقی رہ جائے۔) دنیا میں سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ انسان کو اس کی خدا داد صلاحیتوں کے اظہار سے روک دیا جائے اور اسے بنیادی ضروریاتِ زندگی حاصل نہ ہوں جبکہ اللہ کا دین یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرے اور زائد از ضرورت مال انسانیت کی فلاح و بہبود کی خاطر اللہ کی راہ میں وقف کر دے۔ عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ کے دوران مسلمانوں میں ایثار و قربانی کا یہ جذبہ اس لیے پیدا ہو گیا تھا کہ مومنین نے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے بدلے جنت کا سودا کر رکھا تھا:

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری کتاب الجہاد، باب من قاتل لتکون کلمة الله هي العليا

صحیح مسلم کتاب الامارة

[2] قرآن حکیم ۔ ۲ : ۱۹۳

© rasailojaraid.com

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ [1]

"بے شک اللہ نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔"

آج بھی مسلمان اگر ایمان کے اس معیار پر پورے اتریں تو دنیا میں محنت کا یہی جذبہ محرکہ دوبارہ پیدا ہو سکتا ہے، جو سرمایہ دارانہ اور اشتراکی دونوں نظاموں کے لیے بہترین مثال ثابت ہو سکتا ہے۔ محنت کا یہ جذبہ محرکہ اور پیداواری قوت کا یہ داعیہ تاریخ معاشیات میں اپنی مثال آپ ہے۔ چنانچہ اس نظام کے تحت چند سالوں میں عسرت و افلاس ختم ہوگئی۔ مسلمانوں کا معیار زندگی بلند ہوگیا اور معاشرے میں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

تاریخ اسلام میں خلافت راشدہ کو بنیادی اور محوری حیثیت حاصل ہے اس مبارک عہد کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس عہد میں جو نظام حکومت قائم ہوا وہ عہد نبوت کی طرز پر چلا اور مستحکم ہوا۔ خلفائے راشدین نے تقسیم دولت کا جو نظام اپنایا وہ کتاب و سنت کے عین مطابق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فوری فیوض و برکات سے دنیا مستفید ہوئی۔ اسلامی نظام معاشیات پر لکھی جانے والی کتابوں میں امام ابو یوسفؒ کی "کتاب الخراج" اولین کتابوں میں سے ہے۔ اس لیے صحت و سند کے اعتبار سے اپنے موضوع پر نہایت مستند اور معتبر کتاب مانی جاتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اپنی اس کتاب میں خلفائے راشدین کے نظام تقسیم دولت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر یحییٰ بن آدم کی "کتاب الخراج" اور امام ابو عبید بن سلام کی "کتاب الاموال" بھی بڑی جامع اور مبسوط کتابیں ہیں۔

امام ابو یوسفؒ نے ابن ابی نجیح کے حوالے سے روایت کی ہے کہ پہلے پہل جب اول خلیفہ راشد حضرت سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس

---

[1] قرآن حکیم، ۹: ۱۱۱

© rasailojaraid.com

بحرین سے مال آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو کچھ دینے کا وعدہ فرما رکھا تھا آپؓ نے انہیں ادا کرنے کے بعد بقیہ تمام مال و دولت کو لوگوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم میں آپؓ نے چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام، مرد اور عورت سب کو برابر برابر حصہ دیا۔ اس تقسیم میں سب لوگوں کو سات درہم اور ایک تہائی حصہ آیا:

وبقیت بقیۃ من المال فقسمہا بین الناس بالسویۃ علی الصغیر والکبیر، والحر والمملوک والذکر والانثی فخرج علی سبعۃ دراہم وثلث لکل انسان [۱]

اگلے سال اس سے بھی زیادہ مال آیا۔ آپ نے تقسیم دولت کے اسی نظام کے تحت سب لوگوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ اس دفعہ ہر انسان کو بیس بیس درہم حاصل ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب دو سال تک تقسیم دولت کی اس پالیسی پر عمل کر چکے تو مسلمانوں میں سے بعض آپ کے پاس آئے اور کہا:

"یا خلیفۃ رسول اللہ انک قسمت ھذا المال فسویت بین الناس ومن الناس اناس لھم فضل وسوابق وقدم، فلو فضلت اھل السوابق والقدم والفضل بفضلھم" [۲]

"اے خلیفہ رسول اللہ، آپ نے یہ مال تقسیم کیا اور سب لوگوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا، حالانکہ ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں، جنہیں فضیلت، سبقت اور اولیت کا شرف حاصل ہے۔ بہتر ہوتا کہ آپ اہل سبقت، اولیت اور فضیلت کو ان کی فضیلت کے سبب دوسروں پر ترجیح دیتے" حضرت ابوبکرؓ نے معترضین کے اعتراض اور ان کے دلائل کو پوری توجہ سے سنا اور ان کے جواب میں فرمایا:

اما ما ذکرتم من السوابق والقدم والفضل

---

[۱] ابو یوسف، کتاب الخراج، فصل کیف کان فرض عمر لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۵

[۲] ایضاً

© rasailojaraid.com

نما اعرفنی بذالک وانما ذلک شیئ ثوابه علی الله جل ثناؤہ، وھذا معاش فالاسوۃ فیه خیر من الاثرۃ [1]

"آپ لوگ جس سبقت، اولیت اور فضیلت کا ذکر کر رہے ہیں، میں اسے معاشی نقطۂ نظر سے کوئی) اہمیت نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا ثواب اللہ جل شانہٗ کے پاس ہے اور یہ (زیر بحث) مسئلہ معاش کا مسئلہ ہے۔ اس میں ترجیح کی بجائے برابری بہتر ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پورے عہدِ خلافت میں اسی برابری کی پالیسی پر عمل فرمایا حالانکہ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا اسلامی خدمات میں اولیت، فضیلت اور سبقت کی اہمیت کو ان سے زیادہ کون جانتا تھا۔ مگر اس بات کی وضاحت بھی صرف حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی ہی کر سکتی تھی کہ صحابہ کرام رضؓ نے اسلام کی راہ میں جو خدمات انجام دی تھیں وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے انجام دی تھیں۔ ان میں مادی فوائد اور مفادات کے حصول کا شائبہ تک نہ تھا:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ [2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسلام اور امّتِ مسلمہ کی خاطر خدمات انجام دینے سے جو کامیابی (فوزِ عظیم) حاصل ہوتی ہے وہ مادی فوائد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور صحابہ کرام رضؓ نے اسی فوزِ عظیم کی خاطر سب کچھ کیا تھا نہ کہ غنیمت کے مال سے زیادہ حصّہ لینے کے لیے۔ آپ کا یہ نظام یقیناً اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم اور اللہ کے آخری رسول، رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیمات پر مبنی تھا۔ قرآن حکیم کی تعلیمات ایثار کا سبق دیتی ہیں اور سنت رسول ان پر عمل کی راہ دکھاتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ [3]

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج، فصل فی ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ ...

[2] ... ۵ : ۱۱۹ [3] قرآن حکیم ۲ : ۲۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، کہہ دیجئے ہر وہ چیز جو ضرورت سے زائد ہو۔"

قرآن نے مسلمانوں کی ایک صفت یہ بیان کی ہے :

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً [1]

"مسلمان وہ ہیں جو اپنے مال رات اور دن خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔"

مسلمانوں کی ایک صفت اس طرح بیان ہوئی ہے :

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ [2]

"وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگی میں ہوں"

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی خدمات "اوّلیت، فضیلت اور سبقت کو پیشِ نظر رکھنے کی بجائے معاشی نقطۂ نظر سے جو "الاثرۃ" یعنی ترجیح کی جگہ" الاسوۃ" یعنی برابری کا نظام وضع کیا۔ اس کی بنیاد قرآنِ حکیم کی یہی آیت " ویؤثرون" ہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا نظامِ تقسیم دولت کامیاب رہا اور اس دوران مسلمانوں میں جمع و احتکار اور ارتکاز دولت نہیں ہوئی۔ بلکہ دولت مسلم معاشرہ میں مسلسل گردش کرتی رہی، معاشرہ بحیثیت مجموعی خوشحالی کی منازل طے کرتا رہا اور عوام کا معیار زندگی بڑھتا چلا گیا۔

جب سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد دوم کا عہد آیا، تو کچھ مدّت تک تو آپ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نظام تقسیم دولت پر عمل پیرا رہے اور "تسویہ" یعنی برابری کی پالیسی پر گامزن رہے مگر فتح عراق کے موقع پر وہ اس پالیسی پر نظرِ ثانی کے متعلق سوچنے لگے :

لما قدم علی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

جیش العراق من قبل سعد بن ابی وقاص

رضی اللہ عنہ قال ناس من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم

[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی تدوین الدواوین وقد کان اتبع رأی ابی بکر فی التسویة بین الناس، فلما جاء فتح العراق شاور الناس فی التفضیل، ورأی انه الرأی، فاشار علیه بذلک من رآه [1]

ابتدائے عہد خلافت میں حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کی لوگوں میں برابری والی پالیسی پر عمل کرتے رہے۔ جب فتح عراق کی خبر پہنچی تو آپ نے فضیلت والی پالیسی پر عمل کرنے کے لیے لوگوں سے مشاورت کی اور خیال کیا کہ ان کی بھی اپنی رائے ہے اور جس نے بھی یہ رائے اختیار کی اس نے اظہار کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور اموال و غنائم کثرت سے آئے۔ ان کثیر اموال و غنائم کی تقسیم کا وقت آیا تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ کی تقسیم دولت کی پالیسی پر غور کیا اور اس پر نظر ثانی کرنے کے متعلق سوچنے لگے۔ انہیں خیال پیدا ہوا۔

ان ابا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأی فی ھذا المال رأیا ولی فیہ رأی آخر لا اجعل من قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمن قاتل معہ [2]

ابو بکر نے تقسیم دولت کے بارے میں ایک پالیسی اختیار کی تھی اور میری اس بارے میں دوسری پالیسی ہے۔ میں اس شخص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں لڑا ہو، اس شخص کے برابر قرار نہیں دے سکتا جس نے آپ کا ساتھ دیا ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

واللہ الذی لا الہ الا ھو ما احد الا ولہ فی

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج فصل فی الفئ والخراج ص ۲۶

[2] ابو یوسف، کتاب الخراج، فصل کیف فرض عمر لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۷۶

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

هذا المال حق اعطیه او امنعه وما احد احق به من احد الا عبد مملوک، وما انا فیه الا کاحدکم ولکنا علی منازلنا من کتاب الله عز وجل و قسمنا من رسول الله صلی الله علیه وسلم فالرجل وتلاده فی الاسلام، والرجل وقدمه فی الاسلام، والرجل وغناؤہ فی الاسلام والرجل وحاجته فی الاسلام والله لئن بقیت لیأتین الراعی بجبل صنعا حظه من هذا المال وهو مکانه قبل ان یحمر وجهه یعنی فی طلبه ۱؎

"اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ایسا کوئی شخص نہیں جس کا اس مال میں حق نہ ہو۔ میں اسے اس کا حصہ دوں گا یا (بوجوہ) اس کا حصہ روک لیا جائے گا کوئی کسی سے زیادہ مستحق نہیں سوائے غلام کے، تقسیم مال میں میری حیثیت تم میں سے ایک فرد کی سی ہے۔ البتہ کتاب اللہ کی رو سے ہماری درجہ بندی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم فرمائی ہے۔ ایک آدمی ہے جس کا اسلام میں مرتبہ ہے۔ ایک آدمی ہے جسے اسلام میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ ایک آدمی ہے جسے اسلام میں غناء ہے۔ ایک آدمی ہے جسے اسلام سے حاجت ہے۔ بخدا اگر میں زندہ رہا تو صنعا کے پہاڑ میں گڈریے کو اس کے مال میں سے حصہ مل کر رہے گا۔ اس کا حصہ اس کے مکان پر ملے گا اور حصے کی طلب میں اس کا چہرہ سرخ ہونے سے پہلے ملے گا۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نظام تقسیم دولت سے اختلاف کرتے ہوئے "تسویہ" معاشی برابری کی بجائے اولیت فضیلت اور مقام و مرتبہ کی بنیاد پر تقسیم دولت کا نظام وضع کیا۔ اسی کے مطابق مہاجرین و

۱؎ ابو یوسف، کتاب الخراج، فصل کیف فرض لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۵۰۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

انصارؓ اور دوسرے لوگوں کی درجہ بندی کی۔ وہ مہاجرینؓ اور انصارؓ جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ان کے لیے پانچ پانچ ہزار درہم مقرر ہوئے۔ جو حضرات فضیلت میں اصحابِ بدر کے ہم پلّہ تھے مگر غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، ان کے لیے چار چار ہزار درہم مقرر کیے۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے بارہ بارہ ہزار مقرر کیے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے چار ہزار اور اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار مقرر کیے۔ آپ کے بیٹے نے عرض کی: اے بابا آپ نے اسامہ کو مجھ سے ایک ہزار درہم زیادہ کیوں دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس لیے کہ اسامہ کے والد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو آپ کے والد سے زیادہ محبوب تھے اور اسامہ آپ سے زیادہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو محبوب تھے۔ اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کیے۔ ان دونوں کو ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے ان کے والد کے برابر حصّہ دیا۔ اہلِ مکّہ اور دوسرے لوگوں کو صرف آٹھ آٹھ سو درہم دیئے گئے[1]

امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے ایران و روم کی فتح نصیب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کا اجلاس طلب فرمایا اور اس کے سامنے مسلمانوں کے روزینے مقرر کرنے کے لیے سالانہ رقم مقرر کرنے کا مسئلہ پیش کیا۔

فقال ما ترون، فانی أری ان أجعل عطاء الناس فی کل سنة واجمع المال فانه اعظم للبرکة[2]

آپ نے استفسار کیا: آپ لوگوں کی کیا رائے ہے، میری رائے تو یہ ہے کہ میں لوگوں کے لیے سالانہ روزینے مقرر کر دوں اور مال و دولت (بیت المال) میں جمع کر لوں۔ یہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے بہت عظیم خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ اصحابِ شوریٰ نے مسئلہ زیرِ بحث

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج فصل کیف فرض عمر ص ۴۶ [2] ابو یوسف کتاب الخراج ص ۴۷

© rasailojaraid.com

پر پوری طرح سوچ بچار کی مختلف پہلوؤں سے اس کا جائزہ لیا۔ بالآخر وہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی حکمت کو پا گئے۔

قالوا: اصبع ما رأیت، فانك ان شاء اللہ موفق [1]

سب نے متفقہ طور پر کہا: جو آپ کی رائے ہے اس پر عمل فرمائیے۔ انشاء اللہ آپ کو توفیق حاصل ہوگی۔"

مجلس شوریٰ کے اس فیصلے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روزینے مقرر فرمائے۔ ان کی شرح اور ادائیگی کا حساب کتاب رکھنے کے لیے دیوان کی تیاری کا حکم صادر فرمایا جس کے لیے لوح (رجسٹر) طلب فرمایا: "فدعا باللوح" اب مسئلہ یہ پیش آیا کہ اس دیوان کی ابتدا کس سے کی جائے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے رائے دی" ابدأ بنفسك" آپ اپنے نام سے ابتدا کیجیے۔ آپ نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا بلکہ خود ہی فرمایا: " ولكن ابدأ ببني هاشم رهط النبي صلى الله عليه وسلم" بلکہ میں بنی ہاشم سے ابتدا کرتا ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ ہے۔" ثم الاقرب فالاقرب الى بني هاشم۔ پھر بنی ہاشم سے قریب سے قریب تر کی بنیاد پر دیوان مکمل ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تقسیم دولت کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی طے پایا تھا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو ایک سو درہم دیئے جائیں۔ جب بچہ ذرا بڑا ہو جاتا تھا تو دو سو درہم اور جب وہ بالغ ہو جاتا تھا تو اور بڑھا دیئے جاتے تھے۔

وكان للنفوس اذا طرحته امه مائة درهم، فاذا ترعرع بلغ به مائتين، فاذا بلغ زاده [2]

آج ایسی مختلف پالیسیوں اور سکیموں پر مغربی اور مشرقی ممالک عمل پیرا ہیں، جن کے تحت ملک کے تمام شہریوں کے روزگار کی ذمے داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر حکومت کسی شہری کو روزگار فراہم نہ کر سکے تو اسے روزینہ

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۴۶۔

[2] ایضاً، ص ۵۰۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

دینے پر مجبور ہوتی ہے۔ اسی طرح بچوں، بوڑھوں، اپاہجوں، محتاجوں، معذوروں، بیواؤں وغیرہ کی مالی اعانت اور فلاح وبہبود کے لیے مختلف ترقی یافتہ ممالک میں مختلف طریقے رائج ہیں۔ حالانکہ جیسے اوپر بیان ہوا یہ سب طریقے ابتدائے اسلام کے انتہائی ترقی یافتہ اور منظم نظام کی ایک جھلک ہیں مگر حیرت ہے کہ غیر تو غیر خود مسلمان اسلام کے اس نظام تقسیم دولت سے بے خبر ہیں اور آج جب وہ عہدِ حاضر کے ترقی یافتہ ممالک میں اس قسم کی سکیموں کا ذکر سنتے ہیں تو حیرت و استعجاب سے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہ عہدِ حاضر ہی کی ایجاد ہیں۔ اور یہ کہ شاید تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور اوں پر ہے المیہ خود مسلمان اپنے دین، اس کی بنیادی تعلیمات اور اپنی تاریخ سے اس حد تک بے خبر ہیں کہ جب ابتدائے اسلام کی یہ باتیں انہیں بتائی جاتی ہیں تو وہ اس قدر حیران ہوتے ہیں کہ انہیں ان کی صحت پر یقین نہیں آتا۔ اور وہ بڑی مشکل سے انہیں ماننے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ ہمارے چاروں طرف معاشرہ ان تعلیمات کے خلاف ہے اور جن لوگوں سے مسلمانوں کو توقع ہے کہ وہ انہیں صحیح دین اسلام بتائیں گے وہ توقع پر پورے نہیں اُتر رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ مدت تک اپنی وضع کردہ فضیلت پر مبنی تقسیم دولت کی پالیسی پر عمل فرمایا۔ اس دوران اس پالیسی کے اثرات و نتائج معاشرت پر مرتب ہونے شروع ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک بیدار مغز حکمران، وسیع القلب مدبر، وسیع النظر مفکر اور کتاب وسنّت کی تعلیمات پر ہمیشہ غور و فکر کرنے والے مردِ مومن کی طرح خود ہی اپنی تقسیم دولت کی پالیسی کے اثرات کا جائزہ لیا اور اس کے نتائج پر گہرے غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ تقسیم دولت کی اس پالیسی کے سبب ارتکاز دولت ہونے لگی ہے اور دولت معاشرے میں گردش کرنے کی بجائے چند ہاتھوں میں سمٹنے لگی ہے؛ "لما رأى المال قد كثر" جب دیکھا کہ دولت کی کثرت ہونے لگی ہے اور اس کے مطابق معاشرے میں تبدیلیاں واقع

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہونے لگی ہیں تو آپ نے ارتکاز دولت کے محرکات و عوامل اور اس کے اسباب و علل پر توجہ دی۔ بالآخر آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کا وضع کردہ نظام تقسیم دولت نظر ثانی کا محتاج ہے۔ چنانچہ آپ نے اس پر نظر ثانی کا پختہ فیصلہ کر لیا اور اپنے اس فیصلے کا اعلان بھی فرما دیا:

قال: لئن عشت الی ھذہ اللیلۃ من قابل لالحقن اُخری الناس باولاھم حتیٰ یکونوا فی العطاء سواء[1]

آپ نے فرمایا: "اگر میں آئندہ مالی سال کے آغاز کی رات تک زندہ رہا تو بالضرور آخرین کو اولین کے ساتھ ملا دوں گا تاکہ وہ عطایا میں برابر برابر ہو جائیں۔"

© rasailojaraid.com

راوی کہتا ہے کہ آئندہ سال آنے سے قبل ہی آپ شہید کر دیئے گئے۔ اللہ آپ پر اپنی رحمت فرمائے۔

فتوفی رحمہ اللہ قبل ذالک[2]

ظاہر ہے کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئندہ مالی سال کے آغاز تک زندہ رہتے تو آپ اپنے اعلان کے مطابق اپنے وضع کردہ نظام تقسیم دولت پر ضرور نظر ثانی فرماتے، اولیت اور فضیلت کی بنیاد پر معاشی نقطہ نظر سے ترجیح کے بجائے برابری کے اصول پر عمل پیرا ہوتے۔ آپؓ نے اپنے اعلان میں جو فرمایا کہ "میں آخرین کو اولین کے ساتھ ملا دوں گا"، تو اس سے یہی مراد تھی کہ جن لوگوں کو اسلام قبول کرنے میں اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور جن کو دولت اسلام بعد میں حاصل ہوئی ان میں معاشی نقطہ نظر سے تفاوت نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ روزی کے معاملے میں برابری کے مستحق ہیں۔ آپ نے یہ بھی اعلان فرما دیا کہ آئندہ مالی سال سے وہ اس تفاوت کو ختم کر دیں گے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح سب کو برابر برابر دیں گے۔

---

[1] ابو یوسف۔ کتاب الخراج۔ ص ۵۰

[2] ایضاً

© rasailojaraid.com

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نظام تقسیم دولت کی حکمت کو اپنے عملی تجربے سے پہچان لیا تھا۔ اور اس کی بہتری کے قائل ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نظام کو دوبارہ اپنانے کے فیصلے کا اعلان بھی فرما دیا تھا۔ مگر آپؓ شہید کر دیئے گئے اور شہادت نے آپؓ کو نظام میں تبدیلی لانے کی مہلت نہ دی۔ آپؓ کی شہادت کے محرکات کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

جن عوامل نے اسلام میں تقسیم دولت کا نظام قائم کرنے میں ان فتوحات کو بڑا دخل تھا جو عراق، ایران، شام، مصر، شمالی افریقہ اور وسط ایشیا میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں اور ان فتوحات کے نتیجے میں مفتوحہ ممالک کی زرعی اراضی مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ اسلام نے اس تقسیم میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔ تبدیلیاں یہ تھیں۔ تمام مسلمان مجاہدین کو بلا امتیاز رتبہ برابر برابر حصہ ملتا تھا۔ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ایک مسلمان زیادہ شجاع اور بہادر ہے وہ اسلحہ سے بھی زیادہ لیس ہے تو اس کو زیادہ حصہ ملے۔ اور ایک مسلمان کمزور ہے اور اس کے پاس تلوار کے سوا اسلحہ بھی نہیں تو اسے کم ملے، اس طرح یہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ ایک مسلمان مجاہد کا گھوڑا طاقت ور قوی اور توانا ہے اور دوسرے کا کمزور اور ناتواں، تو طاقتور گھوڑے والے کو زیادہ حصہ ملے اور کمزور والے کو تھوڑا۔ بلکہ سب کا حصہ برابر ہوتا تھا۔

ولا یفضل الخیل بعضها علی بعض … ولا یفضل الفرس القوی علی الفرس الضعیف، ولا یفضل الرجل الشجاع التام السلاح علی الرجل الجبان الذی لا سلاح معه الا سیفه [1]

یہ تفصیل بتاتی ہے کہ اسلامی فوج بلا امتیاز رتبہ سب اسلام کے سپاہی تھے۔ ان کی جان نثاری، شجاعت، بہادری صرف اور صرف اسلام کے لیے وقف تھی۔

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۹ ، باب فی قسمة الغنائم۔

© rasailojaraid.com

انہیں مقام و رتبہ صرف مزید خدمات بجالانے کے لیے ملتا تھا۔ اس میں مادی محرکات و عوامل شامل نہ ہوتے تھے۔ نہ تنخواہ بڑھتی تھی نہ مالِ غنیمت میں زیادہ حصّہ ملتا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی فوج تسویہ اور برابری کی بنیاد پر قائم تھی۔ نہ مربعے الاٹ ہوتے تھے نہ جاگیریں ملتی تھیں اور نہ مادی فوائد ان کی بے لوث خدمات کے محرکات تھے۔

عہدِ رسالت اور عہدِ خلافت راشدہ میں صحابہ کرام نے شجاعت و بہادری کے جو عظیم الشان اور محیر العقول کارنامے انجام دیئے وہ سب مادی محرکات سے بالا اور بے نیاز ہو کر دیئے۔ ان مبارک عہدوں میں نظام تقسیم دولت کے تحت تمام مسلمانوں کی معاشی کفالت محفوظ تھی۔ انہیں اپنی قابلیت اور صلاحیت کے اظہار کے وافر مواقع فراہم تھے۔ وہ جس فن کو اپناتے تھے اس میں کمال کر دکھاتے تھے۔ انہیں حادثات میں گرفتار ہو کر پریشان ہونے کی فکر دامن گیر نہ ہوتی تھی۔ وہ بخوشی اور بے باکی سے مہم جوئی کو دعوت دیتے تھے۔ اسلام کی خاطر جان نثاری اور فدا کاری ان کا معمول تھا۔

خلافت کا نظام تقسیم دولت انہیں بیوی بچوں کی کفالت سے بے نیاز کر دیتا تھا۔ وہ ماں باپ کے بڑھاپے اور بہن بھائیوں کے مسائل سے بے فکر ہوتے تھے اس لیے کہ حکومت تمام شہریوں کی کفالت کی ذمّے دار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شہری پوری بے جگری، دلجمعی، لگن اور مشن سے اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ ملک و معاشرہ اور فضا و ماحول اسے تخلیقی کارنامے انجام دینے پر اکساتے تھے۔ تقسیم دولت کے اس نظام کی بدولت مسلمانوں کے اندر قوّتِ کار کا بے پناہ اضافہ ہوا اور اس قوّتِ کار کے محرکات خالصتہً دینی اسلامی اور روحانی تھے، مادّی اور ذاتی ہرگز نہ تھے۔ دوسرے نظاموں پر اسلام کو یہی فضیلت حاصل ہے کہ اس میں غیر مادّی عوامل انسان کو بے پناہ قوّتِ کار عطا کرتے ہیں۔ اور اس کی کارکردگی میں مادّی عوامل کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ غیر اسلامی نظام والوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مادّی محرکات کے علاوہ بھی کوئی جذبہ محرکہ ایسا ہے جو انسان کو قوّتِ کار عطا کر سکتا ہے اور اسے انسانیت کی مجموعی فلاح و بہبود

© rasailojaraid.com

کے لیے کام پر ابھار سکتا ہے۔ حالانکہ اگر قرآن و سنّت کی تعلیمات کا ٹھنڈے دل و دماغ، غیر جانبدارانہ انداز، غیر متعصبانہ طریق اور محققانہ طرز پر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھُل کر سامنے آجائے گی کہ اسلام خالصتہً غیر مادی عوامل اور کلیتہً دینی محرکات سے انسان میں یہ قوّت کارپیدا کرتا رہا ہے اور جب بھی اسے دل و دماغ کی کامل ہم آہنگی کے ساتھ اپنایا گیا وہ یہی نتائج پھر پیدا کر سکتا ہے۔

اسلامی فتوحات کے نتیجے میں جو زرعی اراضی مسلمانوں کو حاصل ہوئی اس کی تقسیم بھی اسی اصول پر ہوئی۔ جزیرہ عرب کے باہر عراق، ایران، شام، مصر، شمالی افریقہ اور وسط ایشیا کی فتوحات و اراضیات پر تاریخ اسلام کی متداول کتب کے علاوہ فتوح البلدان، فتوح الشام، مغازی سیرت و دیگر فنون کی کتب تفصیل سے روشنی ڈالتی ہیں۔ اراضیات کی تقسیم کا مسئلہ امام ابو یوسف، امام ابو عبید، امام یحییٰ بن آدم وغیرہ ائمہ نے شرح و لبسط سے بیان کیا ہے۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ جب عراق و شام کی زمینیں فتح ہوئیں تو بعض مسلمانوں نے انہیں غنیمت کے مال کی طرح تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔

وقد سأل بلال و اصحابه عمر بن الخطاب رضی الله عنه قسمة ما افاء الله علیهم من العراق و الشام وقالوا اقسم الارضین بین الذین افتتحوها کما تقسم غنیمة العسکر [1]

حضرت بلالؓ اور ان کے حامیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا مطالبہ کیا، کہا، ان زمینوں کو ان کے فاتحین میں اسی طرح تقسیم کریں جس طرح فوجی غنیمت تقسیم ہوتی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا" فابی عمر ذلک علیهم" اور کہا۔

فلو قسمته لم یبق لمن بعدکم شیٔ [2]

اگر مَیں نے انہیں تقسیم کر دیا تو تمہارے بعد آنے والوں کے لیے کچھ نہ بچے گا۔

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج۔ ص ۲۵۔ [2] ابو یوسف، کتاب الخراج۔ ص ۲۵۔

© rasailojaraid.com

جو لوگ مفتوحہ زمینوں کی تقسیم چاہتے تھے ان کے دلائل یہ تھے کہ جن مجاہدین کی تلواروں نے یہ زمینیں فتح کی ہیں یہ انہیں کا حق ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان دلائل سے قائل نہیں ہوتے تھے وہ فرماتے تھے :

فکیف بمن یأتی من المسلمین فیجدون الارض بعلوجها وقد اقتسمت وورثت عن الآباء وحیزت ماهٰذا برأی ۔ [1]

یہ تقسیم کیسے ممکن ہے؟ جب آئندہ نسل کے مسلمان آئیں گے اور پائیں گے کہ زمینیں کسانوں سمیت تقسیم ہو چکی ہیں اور آباء سے اولاد میں وراثۃً منتقل ہو کر بیٹوں تک [illegible] رائے ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے بھی اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے فرمایا :

فما الرأی ؟ ما الارض والعلوج الا مما افاء الله علیهم [2]

تو یہ کیا رائے ہے؟ زمین اور کسان تو انہیں کے ہیں جن کے ہاتھوں اللہ نے انہیں فتح دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ آپ کی بات درست ہے مگر مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ اگر میں عراق اور شام کی زمینیں کسانوں سمیت تقسیم کر دوں تو سرحدوں کی حفاظت کیسے ہو گی؟ اور اس ملک و دیگر ممالک شام و عراق کے بچوں اور بیواؤں کا کیا بنے گا؟

مخالفین کا جواب یہ تھا کہ آپ چاہتے ہیں کہ وہ زمینیں جنہیں ہماری تلواروں نے فتح کیا انہیں آپ ان لوگوں کے لیے وقف کر رکھیں جو نہ اس وقت موجود ہیں اور نہ ہی جنگ میں شریک ہوئے ہیں پھر آپ ان لوگوں کی اولاد کو دیں پھر ان کی اولاد کی اولاد کو دیں جو موجود ہی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہی فرماتے جاتے "هٰذا رأیی" یہ میری رائے ہے۔ مخالفین نے کہا اس پر شوریٰ کا اجلاس بلایا جائے اور اس مسئلے پر کھل کر بحث ہو۔ چنانچہ مدینہ کی شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا جس میں زمینوں کو ذاتی ملکیت میں دینے یا حکومت کی تحویل میں بطور امانت امت مسلمہ کے لیے

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج۔ ص ۲۴۔ [2] ابو یوسف کتاب الخراج۔ ص ۲۶۔

© rasailojaraid.com

رکھنے کے مسئلے پر بحث ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمینوں کو تقسیم کرکے ذاتی ملکیت میں دینے کے مخالف تھے۔ شوریٰ میں جو صحابہؓ کرام آپ کے موقف کے حامی تھے ان میں منجملہ دیگر اصحاب کے چند مشہور نام یہ تھے: حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت علیؓ بن ابی طالب حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ۔ آپ کے مخالفین میں سر فہرست حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت بلالؓ تھے۔ انصار کے دونوں بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کے پانچ پانچ اشراف و کبار بطور خاص بلائے گئے اور بحث کا آغاز ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجلاس کے شروع ہی میں اپنے متعلق خاص طور بطور [illegible] کاحدکم "میری حیثیت تم میں سے ایک فرد کی ہے[1] آج تم لوگ حق کو قائم کرنے والے ہو۔ جس نے میری مخالفت کی، مخالفت کی۔ اور جس نے میری موافقت کی، موافقت کی۔ اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ تم میری خواہش کی پیروی کرو۔" ولست ارید ان تتبعوا ھٰذا الذی ھوای "تمہارے پاس اللہ کی کتاب ناطق بالحق ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا: تم ان لوگوں کے بیانات سن چکے ہو جو گمان کرتے ہیں کہ میں نے زمینیں ان کی ذاتی ملکیت میں نہ دے کر ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ حالانکہ میں ظلم پر سوار ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اگر کوئی چیز ان کی تھی میں نے انہیں نہیں دی ان کے علاوہ کسی اور کو دے دی ہے تو واقعی میں نے ظلم کیا ہے۔ قال: فقد سمعتم کلام ھؤلاء القوم

© rasailojaraid.com

لہ اس سے شوریٰ میں خلیفۃ المسلمین، امیر المؤمنین کی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شوریٰ کا کام محض مشورہ دینا نہیں۔ شوریٰ میں خلیفۃ المسلمین کی رائے ایک فرد کی رائے ہے۔ البتہ یہ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ ایسے شخص کو سربراہ بنائے جو فہم و فراست، عقل و دانش، اجتہاد و استنباط کی صفات سے پوری طرح مزین ہو۔ اور اپنی اعلیٰ قابلیت، لیاقت اور اہلیت سے شوریٰ کو اپنی رائے سے قائل کرے سب کے اتفاق رائے سے قانون بنائے۔

© rasailojaraid.com

الذین زعموا انی اظلمهم حقوقهم و انی اعوذ بالله ان ارکب ظلماً۔ لئن کنت ظلمتهم شیئاً هو لهم و اعطیته غیرهم لقد شقیت ۔ [۱] بلکہ میری رائے یہ ہے کہ کسریٰ کی زمینیں فتح ہو چکی ہیں ۔ اللہ نے ہمیں ان کے اموال اور اراضی اور کسان فتح میں دیئے ہیں۔ میں اموال ان میں تقسیم کر چکا ہوں اور خمس نکال چکا ہوں۔ میرا موقف یہ ہے کہ زمینیں کسانوں سمیت بحق سرکار حکومت کی تحویل میں روک لوں اور ان پر خراج لگا دوں اور زمینوں پر جزیہ مقرر کر دوں جسے وہ حکومت کو ادا کر دیں۔

وقد رأیت ان احبس الارضین بعلوجها و اضع علیهم
فیها الخراج و فی رقابهم الجزیه یؤدونها ـــ
یہ سب مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت قرار پائے ۔ فتکون فیئاً
للمسلمین المقاتلة ولمن یاتی من بعدهم ۔ [۲]

مسلمانوں کی اس مشترکہ ملکیت میں مجاہدین، بچے اور ان کی آئندہ نسلیں شریک ہوں۔ آپ یہ سرحدیں دیکھ رہے ہیں۔ جن کی حفاظت کے لیے فوج درکار ہے ۔ آپ یہ عظیم الشان ممالک شام، جزیرہ، کوفہ، البصرہ، مصر دیکھ رہے ہیں جن میں لشکروں کی ضرورت ہے۔ جن پر اخراجات ہوں گے۔ یہ سب کہاں سے آئیں گے۔ اگر زمینیں اور کسان تقسیم کر دیئے جائیں ارأیتم هذه الثغور لابد لها من رجال یلزمونها، ارأیتم هذه المدن العظام کالشام والجزیرة والکوفة والبصرة ومصر ۔ لابد لها من ان تشحن بالجیوش، و ادرار العطاء علیهم فمن این یعطی هؤلاء اذا قسمت الارضون والعلوج [۳]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر نہایت پُر مغز، مؤثر اور مدلل تھی۔ آپ کے

---

۱ ابو یوسف۔ کتاب الخراج ص۲۷ ۔
۲ ایضاً
۳ ایضاً

© rasailojaraid.com

دلائل انتہائی وزنی۔ آپ کی باتیں مسکت اور لاجواب تھیں۔ آپ نے اپنے موقف کی تائید میں سورہ حشر کی سات سے دس تک آیات تلاوت فرمائیں۔ جن میں مفتوحہ زمینوں کی تقسیم اور ان سے استفادے کی تعلیم دی گئی ہے۔

۔ مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی۔

فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ۔

۔ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

۔ لِلْفُقَرَاءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ

۔ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ۔

۔ وَالَّذِیْنَ جَاءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ۔

© rasailojaraid.com

ان آیات میں تقسیم دولت کا بنیادی اصول یہ فرمایا ہے کہ دولت معاشرے میں مسلسل گردش کرتی رہے اور وہ صرف سرمایہ داروں کے درمیان ہی سمٹ کر نہ رہ جائے۔ زمینوں کی تقسیم پانچ اقسام پر مشتمل بتائی۔

۱۔ اللہ اور رسول۔

۲۔ اقرباء، یتامیٰ۔ مساکین اور مسافر۔

۳۔ مہاجرین۔

۴۔ انصار۔

۵۔ آئندہ آنے والے مسلمان۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ جب خود قرآن حکیم نے مفتوحہ زمینوں کی آمدنی میں آئندہ آنے والے مسلمانوں کو شریک کیا ہے اور انہیں ان زمینوں سے مستفید ہونے کا اسی طرح مستحق ٹھہرایا ہے جس طرح مہاجرین اور انصار مستحق ہیں۔ تو پھر کس طرح موجودہ مسلمانوں میں یہ زمینیں تقسیم کر دی جائیں اور آئندہ اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کو ان سے محروم کر دیا جائے۔ ایسی تقسیم قرآن حکیم کی تقسیم کے خلاف ہوگی۔ اس لیے مفتوحہ زمینوں کی تقسیم از روئے قرآن اسی صورت میں درست ـــــ قرار پائے گی جبکہ انہیں فاتحین میں تقسیم کرنے کی بجائے حکومت کی تحویل میں رہنے دیا جائے تاکہ موجودہ اور آئندہ مسلمان ان کی مجموعی

© rasailojaraid.com

آمدنی سے مستفید ہوتے رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی اپنی تقریر ختم فرمائی تو مخالف و موافق سب پکار اُٹھے" الرأی رأیک" رائے آپ ہی کی رائے ہے۔ آپ نے جو کچھ کہا اور آپ نے جو کچھ سوچا بالکل درست ہے۔" فنعم ما قلت وما رأیت" اگر ان سرحدوں کی حفاظت نہ ہوئی۔ ان شہروں کی نگرانی نہ کی گئی تو کفار پھر ان شہروں کی طرف لوٹ کر ان پر قابض ہو جائیں گے۔ مجلس شوریٰ نے جب متفقہ طور پر آپ کے موقف کی تائید کر دی تو آپ نے فرمایا اب بات بالکل کھل کر واضح ہو گئی ہے۔ "قد بان لی الامر" ۱ے

اس سے ظاہر ہے کہ جب تک شوریٰ کا اتفاق رائے نہیں ہوا اس وقت تک حضرت عمرؓ اپنی رائے کو ذاتی رائے قرار دیتے رہے۔ آپ نے کسی موقع پر حقِ استبداد استعمال نہیں کیا۔ آپ نے اپنی قابلیت اور اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں سے اتفاق رائے سے قانون بنایا۔ قائد اور سربراہ وہی بننے کا حق رکھتا ہے جو دوسروں کو قائل کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو۔ اسلام اسے قائد و سربراہ تسلیم نہیں کرتا جو عقل و فہم سے تو عاری ہو مگر ظلم و استبداد سے مسلمانوں پر تسلط جمائے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ کا متفقہ فیصلہ اور صحابہ کرام رضؓ کا اجماع قانونی شکل اختیار کر گیا۔

حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا وضع کردہ یہ قانون فاتح سواد و عراق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تاکہ وہ اسے نافذ کریں۔ حضرت سعدؓ نے اس پر عمل کرتے ہوئے زمینیں حکومت کی ملکیت قرار دے دیں۔ حضرت عمرؓ نے ماہر اراضیات حضرت عثمان بن حنیف کو عراق بھیجا کہ وہ زمین کی مساحت کے فرائض انجام دیں جس کے مطابق خراج مقرر ہوا۔ اس اجماعی فیصلے کی روشنی میں تمام ممالک اسلامیہ کی اراضی حکومت کی ملکیت قرار پائیں۔ ان کی مجموعی آمدنی سے مسلمانوں کو مقررہ شرح سے روزینے دیئے جاتے تھے بقیہ آمدنی اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی اجتماعی فلاح و بہبود اور امتِ مسلمہ کی ترقی و عروج

۱ے ابو یوسف۔ کتاب الخراج ص۲۷

© rasailojaraid.com

بہ خروج ہوتی رہی۔

جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی تو حکمرانوں نے اسلام کی تعلیمات کے خلاف ممالک اسلامیہ کی زمینوں میں تصرف کرنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں امتِ مسلمہ کی مشترکہ ملکیت سے نکال کر ذاتی اغراض و خواہشات اور شخصی مفادات و مقاصد کے لیے استعمال میں لانے لگے۔ حکمرانوں کی غلط بخشیوں کے سبب امتِ مسلمہ کی مشترکہ امانت (فیئا للمسلمین) میں خیانت ہونے لگی۔ امت کی کثیر آبادی کو زمینوں کی ملکیت سے محروم کر کے ایک محدود جاگیر دار طبقہ پیدا کیا گیا۔ سامراجی (یورپی) حکمرانوں نے اپنے مفادات کے حصول کے لیے زمینوں کو جاگیروں کی شکل میں دے کر امتِ مسلمہ کی مشترکہ امانت میں خیانت کی حد کر دی۔

© rasailojaraid.com

اسلامی حکومت کا اولین فرض ہے کہ وہ اسلام کے نظام تقسیم دولت کو اپنائے۔ زر اور زمین کا اسلامی تعلیمات کے مطابق نظام قائم کرے۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے جو نظام تقسیم دولت اپنایا تھا وہ کتاب و سنت کے عین مطابق تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عملی تجربے سے اسی نظام کی صداقت، حقیقت اور حکمت کو پہچان لیا تھا اور اسے اپنانے کا اعلان فرما دیا تھا۔

امتِ مسلمہ منتظر ہے کہ کوئی مسلمان حکومت حضرت فاروق اعظمؓ کے اعلان کے مطابق اسلام کا نظام تقسیم دولت دوبارہ نافذ کرے۔ اس وقت افراط و تفریط پر مبنی دو معاشی نظام ــــ سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت ــــ دنیا میں رائج ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام ذاتی اور شخصی مفاصد پر مبنی ہے۔ اس نظام میں زمین، صنعت اور تجارت میں محنت کا جذبہ محرکہ ذاتی مفادات ہیں۔ اشتراکی نظام میں محنت کا یہ جذبہ محرکہ نہیں۔ اس نظام کے حامی دعوے کرتے ہیں کہ ذرائع و وسائل دولت چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوتے۔ اسلام کے نظام تقسیم دولت میں محنت کا جذبہ محرکہ بھی وافر مقدار میں موجود ہے اور ذرائع و وسائل دولت بھی چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوتے۔ بلکہ دولت مسلسل گردش کرتی رہتی ہے۔ گویا یہ نظام محنت کے لامتناہی جذبہ محرکہ اور ذرائع و وسائل دولت کے مسلسل گردش کرتے رہنے کا دوسرا نام ہے۔ جس سے انسان کے معیار زندگی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور معاشرہ مسلسل عروج و ارتقا کی منازل طے کرتا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com